تقسیم علوم دین صاحب "ینابیع"[۱] کی نظر میں

مولانا ابو الفتح محمد صغیر الدین۔ استاد سندھ یونیورسٹی۔ حیدرآباد

اس سے پہلے "ینابیع الحیٰوۃ الابدیہ" کا ایک سرسری جائزہ لیا جا چکا ہے جس سے معلوم ہوتا ہے کہ مصنف علّام نے اس ضخیم کتاب میں کن کن امور سے بحث کی ہے اس شمارہ میں اس کتاب کے بابِ دوم کا خلاصہ ہدیۂ قارئین ہے۔

اس باب میں دین اسلام کے علم اور اس کے علما کا ذکر ہے اور یہ تیرہ[۱۳] فصلوں پر مشتمل ہے۔

فصل اوّل

اس فصل میں علمائے دین کے چار طبقے شمار کرائے ہیں۔ ان کے علاوہ دوسروں کو شیطانی فوج سے تعبیر کیا ہے۔ چنانچہ لکھتے ہیں کہ

"علمائے دین اسلام چہار طائفہ اند۔ محدثین[۱]، فقہاء[۲]، متکلمین[۳] و صوفیین۔ وباقی ہمہ جنود ابلیس ولشکر دجّال اند"

پھر ان چار گروہوں کی تعریف بیان کی ہے جو مختصراً درج ذیل ہے:

۱۔ صاحب ینابیع الحیٰوۃ الابدیہ للطلاب النقشبندیہ، حاجی ابوالحسن داہری نقشبندی نواب شاہ (سندھ) کے بزرگ بارھویں صدی ہجری میں گزرے ہیں۔ (مدیر)

(۱) **محدثین** :- یہ حضرات ظاہر حدیث اور ظاہر آیت قرآنیہ پر عمل کرتے ہیں یہ شب و روز حفظ و نقل احادیث میں اور صحیح و ضعیف اور ناسخ و منسوخ کے علم میں اور راویوں کے احوال کی تحقیق میں مشغول رہتے ہیں ۔ یہ لوگ اصولِ اسلام کے محافظ ہیں ۔ اور علم روایت یعنی علم حدیث کے ساتھ مخصوص ہیں ۔ جواہرِ احادیث کے نقاد اور پرکھنے والے ہیں ۔ ان کے تمام عبادات اور معاملات کا مدار ظاہر احادیث و آیات پر ہے ۔ اسی طرح ان کے عقائد کا دار و مدار بھی ان ہی ظاہر آیات و احادیث پر ہے بجز متشابہات کے کہ ان کو ظاہر پر محمول نہیں کرتے ہیں بلکہ یا تو محکمات کے مطابق ان کی تاویل کرتے ہیں یا ان کے علم کو حق تعالیٰ کے حوالہ کرتے ہیں ۔

(۲) **فقہاء** :- یہ وہ لوگ ہیں جو محدثین سے علم احادیث اخذ کرکے ان کی باریکیوں پر غور و فکر کرتے ہیں اور عبادات و معاملات کے جن مسائل میں نصوصِ ظاہرہ موجود نہ ہوں ، ان کو نصوص کے مطابق دلالۃ النص اور اشارۃ النص کے ذریعے مستنبط کرتے ہیں اور اصولِ فقہ کے قواعدِ اجتہاد کے قیاس کے ذریعے نصوص سے مسائل اخذ کرتے ہیں ۔ یہ لوگ تفقہ حدیث کے ساتھ مخصوص ہیں۔

(۳) **متکلمین** :- یہ وہ لوگ ہیں جو محدثین اور فقہاء سے علم اخذ کرتے ہیں ۔ اور عقاید ایمان کو دلائل عقلیہ و نقلیہ کے ذریعے مستحکم کرتے ہیں ۔ اہل بدعت و کفر و ضلالت کے دلائل کا ابطال کرتے ہیں ۔ یہ علم ان لوگوں کے ساتھ مخصوص ہے ۔

(۴) **صوفیین** :- یہ وہ حضرات ہیں جو ان تینوں مذکورہ گروہوں سے دین اسلام کا علم اخذ کرتے ہیں اور اصول و فروع میں ان کے تابع ہیں اور دینِ محمدی صلی اللہ علیہ وسلم کے کسی مسئلہ میں ان کی مخالفت نہیں کرتے ہیں تمام رسوم و معانی میں ان کی پیروی کرتے ہیں ۔ اس کے ساتھ ساتھ اللہ تعالیٰ نے اِس مبارک گروہ کو علوم عالیہ اور احوال سنیہ کے ساتھ مخصوص کیا ہے اور ممتاز بنایا ہے ۔ جو لوگ تصوف کے مدعی ہیں اور علماء کی ان چار قسموں سے خارج ہیں تو ایسے لوگ ابلیس کے لشکر ہیں ۔

اس ضمن میں ان لوگوں کے اقوال بھی بیان کئے ہیں جنہوں نے علماء کی صرف تین جماعتیں شمار کی ہیں، چنانچہ عقائد سنیہ کا حوالہ دیتے ہوئے لکھا ہے۔ اس میں آداب مریدین، مصنفہ شیخ ابو النجیب سہروردیؒ سے نقل کیا ہے کہ علمائے اہل سنت والجماعت تین ہیں، محدثین، فقہا، اور صوفیہ۔ انہوں نے متکلمین کو اس میں شمار ہی نہیں کیا ہے پھر قوت القلوب، مصنفہ شیخ ابوطالب مکی سے نقل کیا کہ انہوں نے چار قسمیں بیان کی ہیں جن میں متکلمین کو بھی شمار کیا ہے۔ اس اختلاف کو نقل کرتے ہوئے مصنف نے اس کی توجیہ بیان کی ہے کہ جن لوگوں نے متکلمین کو علماء میں شمار نہیں کیا ہے، ان کی نظر میں یہ ہے کہ چونکہ فقہا نے ایمان کے ضروری عقائد کا ذکر کر دیا ہے اس لئے یہ علم فقہ میں داخل ہے[1] اور جن لوگوں نے علم کلام اور متکلمین کو دین اسلام کے علم اور علماء میں شمار کیا ہے، وہ اس پر مبنی ہے کہ چونکہ اہل بدعت وکفر کے دلائل عالم میں پھیل گئے اس لئے مخالفین کے دلائل کا ابطال اور اعتقادِ دین کا ثابت کرنا ضروری ہو گیا۔ چنانچہ دینِ اسلام کی حفاظت کیلئے علمِ کلام یقیناً پڑھنا چاہئے۔ اگر علم کلام نہ ہوتا تو تمام مسلمان مخالفین کے دلائل کو اپنا لیتے اور ان کی پیروی کرنے لگتے پھر تو اہل سنت والجماعت کا مذہب باقی نہ رہتا اور اس جماعت میں خلل اور فساد پیدا ہو جاتا۔

فصل دوم

اس فصل میں اس امر سے بحث کی ہے کہ علم کلام کس قدر فرض اور کس قدر مباح اور کس قدر ممنوع ہے، چنانچہ اس سلسلے میں لکھتے ہیں۔

"علم کلام بقدرِ ضرورت اعنی بقدر کہ عقائد ایمان بدان سلامت ماند از آسیبِ فساد وشکوک، وزلل، ومصئون گردد از لوثِ بدعت وخلل

---

[1] الفقہ الاکبر جو محض عقائد کی کتاب ہے اور امام ابو حنیفہؒ کی طرف منسوب ہے۔ اس کتاب کا نام اس امر کی دلیل ہے کہ عقائد کے مسائل بھی فقہ میں داخل ہیں ۱۲

فرض عین است"

یعنی علم کلام کا اس قدر حاصل کرنا فرض عین ہے کہ ایمان سلامت رہ سکے اور شکوک وشبہات کی آفت سے محفوظ رہ سکے، کیونکہ عقائد ایمانیہ کو فساد سے بچانا ہمیشہ فرض ہے۔ اور ہرایک کے لئے ضروری ہے کہ عقائد کے منافع اور مضرتوں کا علم حاصل کرے تاکہ بدعت وکفر سے نجات پائے اور قیامت کے دن عتاب خداوندی میں نہ پڑے۔ قیامت کے دن پہلے ہر شخص سے اس کے عقائد ہی کے متعلق پرسش ہوگی اس کے بعد نماز کا حساب ہوگا۔ منکر نکیر بھی قبر میں عقائد ہی کے متعلق سوال کریں گے۔

قدرِ ضرورت کی تفصیل بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ ہر شخص کو اتنا معلوم ہونا چاہئے کہ سارا عالم اپنے تمام اجزاء کے ساتھ حادث اور مخلوق ہے، اور اللہ تعالیٰ کی ذات وصفات کے سوا کوئی چیز قدیم اور ازلی نہیں ہے۔ صانع عالم واحد ہے۔ وہ صفاتِ کمال کے ساتھ متصف ہے اور اس کی تمام صفات قدیم ہیں۔ وہ نقص وزوال کی صفات سے منزّہ ہے۔ کسی چیز میں اس کے سوا کوئی مؤثر نہیں۔ ذات وصفات افعال میں اس کے مثل کوئی چیز نہیں۔ اس کی ذات یا اس کی کسی صفت کی کنہ عقل میں نہیں آسکتی۔ اس کے علاوہ ان امور کا علم ہونا چاہئے جو توحید کے متعلق اجماعِ صحابہ اور سلفِ صالحین سے ثابت ہیں۔ نیز علاماتِ قیامت، مسائل معاد یعنی عذابِ قبر، حشر نشر، سوال، میزان وغیرہ اور دیگر انبیاء ورسل اور ان کی کتابوں اور فرشتوں کے متعلق علم ہونا چاہئے۔ قضاء وقدر پر ایمان ہونا چاہئے لیکن اس کے دقائق حکمت میں غور وخوض نہ کرنا چاہئے کیونکہ یہ ممنوع ہے۔ اور امامتِ کبریٰ کے مسائل معلوم ہونے چاہئیں۔ اگر اس قدر علم حاصل کرلے تو بہ توفیقِ ایزدی بدعت وضلالت اور عقائدِ اسلامی میں فساد سے محفوظ رہے گا۔

فقہ، کلام اور تصوف کا باہمی تعلق

شیخ عبدالحق محدث دہلوی رح کے ترجمۂ مشکوٰۃ کا حوالہ دیتے ہوئے مصنف رح لکھتے ہیں کہ حدیث جبرئیل (علیہ السلام) کی شرح میں شیخ مذکور نے لکھا کہ "اسلام" سے فقہ کی طرف اشارہ ہے کیونکہ فقہ اعمال واحکام شرعیہ کے بیان پر مشتمل ہوتا ہے

اور "ایمان" سے اعتقادیات کی طرف اشارہ ہے جن سے علم کلام میں بحث ہوتی ہے اور "احسان" سے اہل تصوف کی طرف اشارہ ہے کیونکہ عبادت کو پورے اخلاص اور توجہ الی اللہ کے ساتھ ہونا چاہئے۔ اور تصوف کے تمام معانی جو مشائخ طریقت نے صراحۃً یا اشارۃً بیان فرمائے ہیں سب اسی اخلاص سے متعلق ہیں۔ اور دین اور اس کے کمال کی بنیاد فقہ، کلام اور تصوف پر ہے۔ یہ تینوں ایک دوسرے کے لئے لازم و ملزوم ہیں۔ کوئی ایک دوسرے کے بغیر وجود میں نہیں آسکتا اور نہ تام ہوسکتا ہے۔ چنانچہ تصوف فقہ کے بغیر متصور نہیں ہوسکتا کیونکہ احکام الٰہی فقہ کے بغیر معلوم نہیں ہوسکتے اور فقہ تصوف کے بغیر تام نہیں ہوسکتا کیونکہ عمل اخلاص کے بغیر تام نہیں ہوتا اور یہ دونوں علم کلام کے بغیر باطل ہوں گے اور درست نہ ہوں گے کیونکہ یہ دونوں صحتِ ایمان پر موقوف ہیں اور کلام ان دونوں کے بغیر کامل نہ ہوگا۔

متکلمین کے غیر ضروری مباحث

متکلمین نے علم کلام میں بہت سے ایسے امور سے بحث کی ہے کہ نہ تو کتاب اللہ میں ان کا ذکر ہے اور نہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ و تابعین ہی سے اس قسم کی بحث منقول ہے۔ بلکہ صحابہ اور تابعین نے تو ان مباحث سے سکوت فرمایا ہے

متکلمین کے اس طرح کے چند مسائل درج ذیل ہیں۔

(۱) جوہر فرد یعنی جزء الذی لا یتجزیٰ کا اثبات اور ان سے اجسام کا مرکب ہونا۔

(۲) عرض دو زمانوں میں باقی رہتے ہیں۔

(۳) اللہ تعالیٰ کی صفات نہ عینِ ذات ہیں نہ غیر ذات۔

(۴) صفاتِ الٰہیہ کا تعدد اور فی نفسہ ان صفات کا اتحاد و تغایر اور حوادث کے ساتھ صفات الٰہیہ کے تعلقات کی کیفیت۔

(۵) صفات قدیمہ سات یا آٹھ ہیں باقی تمام صفات حادث ہیں۔

(۶) مسئلہ قدر میں کثرتِ نزاع۔

(۷) کلام الٰہی میں ان کا شدید اختلاف۔

جمہور فقہاء، محدثین اور ائمہ مجتہدین اس قسم کی بحثوں سے منع کرتے ہیں اور ان کو بدعت قبیحہ قرار دیتے ہیں۔

متکلمین کی تین طرح کی غلطیاں

متکلمین نے تین طرح کی غلطیاں کی ہیں جن کی تفصیل حسب ذیل ہے۔

(۱) فقہاء و محدثین کے مذاہب کی بعض مسائل میں مخالفت کی ہے چنانچہ منجملہ ان مسائل کے ایک مسئلہ یہ ہے کہ متکلمین صفات فعلیہ کو قدیم نہیں مانتے۔ حالانکہ اہل سنت والجماعت کے نزدیک اللہ تعالیٰ کی تمام صفات خواہ ذاتیہ ہوں یا فعلیہ سب قدیم ہیں۔ اس قسم کی غلطیاں اشعریہ کے کتابوں میں بہت زیادہ ہیں۔

(۲) دوسرے یہ کہ علم کلام میں مخالفین مثلاً معتزلہ اور فلاسفہ وغیرہ کے دلائل بیان کیے گئے ہیں تاکہ ان کے دلائل معلوم کرکے ان کا رد کیا جائے اور جواب دیا جائے۔ ان مخالفین کے دلائل بیان کرنے کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ تذبذب کی کیفیت پیدا ہو جاتی ہے اور عقائد حقہ میں تزلزل پیدا ہوتا ہے۔

غرض علم کلام کے متعلق مصنف علام کی رائے یہ ہے کہ قدر ضرورت سے زائد اس علم میں مشغول ہونا بدعت قبیحہ ہے نہ کہ مطلقاً اس علم میں مشغول ہونا بدعت ہے کیونکہ جیساکہ ملا علی قاری رحؒ نے "شرح فقہ اکبر" میں لکھا ہے کہ یہ بات پایۂ ثبوت کو پہنچ گئی ہے کہ صحابہ توحید و نبوت کے دلائل کے متعلق مباحثہ کرتے تھے اور ان دونوں چیزوں کے متعلق دلائل بیان کرتے تھے۔

امیر شریف قدس سرہ نے 'شرح مواقف' میں تصریح کی ہے کہ علم کلام بدعت حسنہ ہے اور فرماتے ہیں کہ علم کلام کا حاصل کرنا فرض کفایہ ہے۔ ہر شہر میں ایک دو عالم علم کلام کے ہونے چاہئیں۔ تاکہ لوگ شبہات میں نہ پڑیں اور ان سے رجوع کرسکیں۔

امام ابوحنیفہؒ نے اپنے صاحبزادے حمادؒ کو علم کلام میں مناظرہ کرتے ہوئے دیکھا تو اس سے منع فرمایا۔ حماد نے عرض کیا کہ اباجان آپ مجھے تو منع فرماتے ہیں، لیکن آپ کو مناظرہ کرتے ہوئے دیکھا ہے۔ امام صاحبؒ نے فرمایا کہ ہم جو مناظرہ کرتے

تھے تو اس بات سے ڈرتے رہتے تھے کہ کہیں ہمارا ساتھی غلطی اور لغزش میں نہ مبتلا ہو جائے اور تم لوگ جو مناظرہ کرتے ہو تو اپنے مقابل کو لغزش میں مبتلا کرنا چاہتے ہو اور جو شخص مقابل کو لغزش میں مبتلا کرنا چاہے تو گویا اس کو کفر میں ڈالنا چاہتا ہے اور جو دوسرے کو کفر میں ڈالنا چاہے وہ خود کافر ہو جاتا ہے قبل اس کے کہ اس کا مقابل کافر ہو۔ جن لوگوں نے علم کلام سے منع کیا ہے وہ اسی قسم کے مناظرہ اور جدل پر محمول ہے۔

فصل سوم

دینِ اسلام کے علومِ مقصودہ

دین اسلام کے علومِ مقصودہ میں تین علوم کو شمار کیا ہے، تفسیر، حدیث، فقہ۔ اور جو ان علوم کے وسائل ہیں، ان کو بھی مقاصد کے حکم میں داخل کیا ہے۔ باقی علوم کو شیطانی فوج کی داستانیں اور افسانے کہتے ہیں چنانچہ فرماتے ہیں کہ

" دربیانِ آنکہ علومِ مقاصدِ دینِ اسلام سہ علم اند۔ تفسیر وحدیث و فقہ۔ و دربیانِ آنکہ علوم وسائل حکم مقاصد دارند، و باقی ہمہ سمرات و افسانہائے جیوشِ ابلیس است "

پہلے اس کی تائید میں ' ابوداؤد و ابن ماجہ ' کی وہ روایت پیش کرتے ہیں جو حضرت عبداللہ بن عمر رضہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

" اَلعِلمُ ثَلٰثَۃٌ ، اٰیَۃٌ مُحکَمَۃٌ او سُنَّۃٌ قَائِمَۃٌ او فَرِیضَۃٌ عَادِلَۃٌ ، و ما کان سِوٰی ذٰلکَ فَھُوَ فَضلٌ "

اس حدیث کی تشریح کرتے ہوئے بیان کرتے ہیں کہ آیت محکمہ سے مراد وہ علم ہے جس میں کتاب اللہ کی آیات محکمات اور متشابہات کی تاویلِ صحیح سے بحث کی جاتی ہے۔ اس کو علم تفسیر قرآن کہتے ہیں جو قواعدِ اصول اور علوم عربیہ ادبیہ کی مہارت و حذاقت پر موقوف ہے۔

سنت قائمہ سے مراد احادیث ثابتہ کا علم ہے۔ یہ علوم عربیہ کی مدد سے اس علم

میں تفقہ پر موقوف ہے نیز حفظِ اسانید اور احوال رجال اور اقسام حدیث کے علم پر موقوف ہے۔

فریضۂ عادلہ سے مراد اجماع امت کا علم ہے۔ اور مجتہد کا وہ قیاس بھی اسی علم سے متفرع ہوتا ہے جو کہ ان تینوں علوم سے مستنبط ہوتا ہے۔

جو علم کہ مجتہد کے قیاس اور اجماع سے تعلق رکھتا ہے اس کو فقہ اور کلام کہتے ہیں یعنی اگر وہ مسائل تعبدی ہیں لیکن اعتقادی نہیں ہیں تو ان کو فقہ کہتے ہیں اور اگر اعتقادی مسائل ہیں تو ان کو علمِ کلام کہتے ہیں۔ لیکن سلف صالح اعتقادی مسائل میں قیاس کو جائز قرار نہیں دیتے ہیں۔ اس لئے علم کلام ان کے نزدیک تفسیر وحدیث کے علم میں داخل ہے علٰحدہ علم نہیں ہے۔

اس سے معلوم ہوا کہ اسلامی علوم تین ہیں۔ تفسیر، حدیث، فقہ۔ اور تمام علوم کا حاصل اور نچوڑ تصوف ہے۔ تمام علوم کی غایت تصوف ہے۔ تصوف کے بغیر یہ تینوں علوم کفر و نفاق ہیں۔ اگر کوئی شخص ان علوم میں تصوف کو کام میں نہ لائے تو اس کے حق میں یہ تینوں علوم وبال ہوں گے۔

علومِ ادبیّہ کی اہمیت

علم اور علماء کی فضیلت احادیث نبویہ صلی اللہ علیہ وسلم کی روشنی میں بیان کرنے کے بعد بتایا ہے کہ مفسرین محدثین اور مجتہدین میں سے ہر ایک کے لئے علوم ادبیہ کا سیکھنا لازمی ہے ورنہ غلطی اور خطا کا مرتکب ہوگا اور کبھی منزلِ مقصود تک نہ پہنچے گا۔

عُرف میں چودہ[۱۴] علومِ ادبیہ مشہور ہیں۔ معارف العلوم میں علوم ادبیہ کا شمار کراتے ہوئے لغت[۱]، نحو[۲]، صرف[۳]، اشتقاق[۴]، معانی[۵]، بدیع[۶]، بیان[۷]، تجوید[۸] ان آٹھ علوم کا وجوب اہل سنت والجماعت کی کتابوں سے ثابت ہے۔ باقی چھ[۶] علوم یعنی علم خط، محاضرات، مراسلات، عروض، قافیہ، قرضِ شعر کو مستحبات میں سے شمار کیا ہے۔ علامہ جاراللہ زمخشری نے بارہ علوم شمار کرائے کیونکہ بدیع کو معانی اور بیان کے ذیل میں شمار کیا اور تجوید کو الگ علم شمار نہیں کیا۔

ان تمام علوم کی تعریفات بیان کرنے کے بعد آخر میں کہا ہے کہ اکثر علوم ادبیہ جو مفسر، محدث اور مجتہد پر واجب ہیں اور باقی علوم جو مستحب ہیں، یہ سب محققین کے حق میں ہیں جو کہ ائمہ دین ہیں تاکہ یہ حضرات تفسیر اور شرح حدیث اور اجتہاد میں غلطی نہ کریں باقی عوام مقلدین، جو ان کے علوم پڑھتے ہیں اور خود کوئی تصرف نہیں رکھتے ہیں تو ان کے لئے تین علوم یعنی لغت، صرف اور نحو کا حاصل کرنا ضروری ہے۔

فصل چہارم

علوم ممنوعہ

اس فصل میں ان علوم سے بحث کی ہے جو کہ ممنوع ہیں اور ان علوم میں علوم فلسفیہ اور کتب معتزلہ اور ان غیر ثقہ لوگوں کی کتابوں کو شمار کیا ہے جو صحیح اور غیر صحیح میں امتیاز نہیں کرتے۔ اور باطنی گروہ کی وہ تفسیریں اس میں داخل ہیں جو کتب معتمدہ مشہورہ کے مخالف ہیں۔

مجالس علاؤ الدولہ سمنانی رح میں مذکور ہے کہ جب خلفائے راشدین موجود تھے کسی نے بھی یونانیوں کی حکمت نہیں سیکھی۔ جب خلفائے راشدین رحلت کر گئے تو ابلیس لعین نے بعض صحابہ رض کے دل میں اس علم کے واقعات القا کئے پھر رفتہ رفتہ یہ بدعت اسلامی فرقوں میں رائج ہو گئی۔ اس سے معلوم ہوا کہ یونانی علوم کے عربی میں منتقل ہونے سے پہلے بھی کچھ لوگ اس کے مسائل سیکھتے تھے۔ کیونکہ ابونصر فارابی جس نے ان علوم کو عربی میں منتقل کیا اور مترجم اس کا لقب تھا یہ متأخر ہے۔

رسالہ تکملہ مجمع البحار میں امام غزالی رح سے منقول ہے کہ دین محمدی صلی اللہ علیہ وسلم کو سب سے بڑی مصیبت اور آفت یونانی فلسفہ کے عربی میں منتقل ہونے سے پہنچی۔ اس لئے کہ اس کے تمام علوم دلائل عقلیہ کے ذریعے ثابت کئے گئے ہیں۔ اور شرع شریف میں ان علوم سے تعرض نہیں کیا گیا ہے اور نہ ان کا اثبات و نفی مذکور ہے۔ مسلمان اس میں غور کرنے سے باز نہ آئیں گے۔ اور جو شخص ان علوم کو سنتا ہے اور ان کے مسائل دیکھتا ہے کہ سب کے سب عقلی دلائل سے ثابت ہیں تو اس کو ان علوم کی طرف رغبت زیادہ ہوتی ہے

اور ان علوم کو حق سمجھنے لگتا ہے اور خیال کرتا ہے کہ اسلام کا دارومدار سہل انگاری اور قطعی دلائل کے انکار اور جہل پر ہے۔ اسطرح وہ دینِ اسلام سے اعراض کرلیتا ہے

طبقاتِ فلاسفہ

(۱) دھریہ :۔ فلاسفہ کو اکثر مغالطہ الہیات میں ہوا ہے۔ ان فلاسفہ میں سب سے پہلے 'دہریہ' تھے جنہوں نے صانع عالم کا انکار کیا اور خیال کیا کہ دنیا اسی طور پہ خودبخود پیدا ہوگئی ہے۔

(۲) طبیعیّین :۔ درمیانی لوگ طبیعیین تھے۔ جب ان لوگوں نے حیوانات میں اللہ تعالیٰ کی عجیب وغریب صنعتیں دیکھیں اور اعضاء کی تشریح کے ذریعے انہیں پوشیدہ راز معلوم ہوئے تو انہیں یقین ہوا کہ اس دنیا کا کوئی صانع ہے جو کہ حکیم اور دانا ہے۔ اور چونکہ اس طرح کی عجیب وغریب ترتیب ازخود کبھی نہیں ہوتی ہے اس لئے خالق حکیم کے اعتراف پر مجبور ہوئے۔ لیکن چونکہ ان کے خیال میں حیوان کے مزاج کو توائے حیوانی کے توام میں بہت زیادہ دخل تھا۔ اس لئے وہ اس کے قائل ہوئے کہ موت کے وقت مزاج کے باطل ہوتے اور جسم کے فنا ہونے کے بعد حیوان دوبارہ لوٹ نہیں سکتا۔ چنانچہ حشر وقیامت اور جنت وجہنم کے منکر ہوگئے۔ یہ دونوں گروہ 'زندیقوں' میں سے ہیں۔

(۳) الٰہیتین :۔ یہ فلاسفہ کے آخری طبقہ کے لوگ ہیں، اس میں 'سقراط' اور اس کے شاگرد 'افلاطون' ہیں۔ اور افلاطون کا شاگرد 'ارسطو' تھا۔ ارسطو تمام علوم میں افلاطون کا شاگرد نہ تھا بلکہ ایک مخصوص علم میں شاگرد تھا۔ ارسطو سلطان سکندر حکیم کا استادزادہ اور اس کا وزیر بھی تھا۔ تفسیر رحمانی میں 'سورۂ کہف' میں مذکور ہے کہ سکندر دو تھے۔ ایک سلطان سکندر حکیم جو سکندرِ صغیر کہا جاتا ہے۔ دوسرا اسکندر کبیر ذوالقرنین جس کی نبوت میں اختلاف ہے۔ یہ تینوں حکیم سلطان سکندر کے زمانے میں تھے۔ یہ تینوں 'دہریہ' اور طبیعیین کے دلائل کا ابطال کرتے تھے۔ یہاں تک کہ ان کا مذہب دہریہ اور طبیعیین کے مذاہب سے ممتاز ہوگیا۔ لیکن افلاطون نے سقراط کے بعض مسائل کی اور ارسطو نے افلاطون کے بعض مسائل کی تردید کی ہے۔ اسی طرح ارسطو کے تبعین مثلاً 'فارابی' اور 'ابن سینا'

نے بھی تردید کی ہے لیکن ان کی تردید سے بعض چیزیں رہ گئی ہیں ۔ بیش[۲] مسائل ایسے ہیں جن میں ان لوگوں نے غلطی کی ہے ان میں سے تین مسئلے توان کی تکفیر کا سبب ہیں ۔ اوّل حشر اجساد کی نفی ۔ دوسرے باری تعالیٰ سے علم جزئیات کی نفی ۔ تیسرے عالم کا قدیم ہونا ۔ باقی مسائل میں انہیں 'بدعتی' کہا جائے ۔

افلاطون اور اس کے متبعین کو اشراقیین کہتے ہیں ۔ کیونکہ ان کا دار و مدار کمالِ زہد اور ریاضاتِ شاقّہ پر تھا ۔ اور اسی طرح وہ اشراق قلوب حاصل کرتے تھے ۔ بعض اشراقیین کے دلوں کا اشراق اس درجہ بڑھا ہوا تھا کہ وہ ایک دوسرے سے دلوں ہی میں 'مناظرہ' کرتے اور سوال وجواب کرتے تھے ۔ ارسطو اور اس کے متبعین 'مشائین' کہے جاتے ہیں ، کیونکہ یہ ہمیشہ سلطان سکندر کے ہمرکاب رہتے تھے اور ساتھ ساتھ چلتے تھے ۔

لفظِ فلسفہ اور سفسطہ کی تشریح

'فلاسفہ' اور 'فلسفہ' "فیلاسوفا" سے ماخوذ ہے ۔ 'فیلا' یونانی زبان میں محبت کرنے والے کو کہتے ہیں اور 'سوفا' کے معنی ہیں 'حکمت' ۔ اس مجموعہ کا معنی ہوا کہ حکمت سے محبت کرنے والا ۔ اور حکمت سے مراد حقائقِ اشیاء کا علم ہے ۔ آخری الف کو حذف کر کے اس کو مخفف کیا گیا تو 'فیلاسوف' ہوا اور دونوں الف حذف کرکے 'فیلسوف' ہوا ۔ جب عربی زبان میں اس کو منتقل کیا تو اس کے چاروں حروفِ علت یعنی یا ، واو اور دونوں الف کو حذف کر دیا اور اس کے آخر میں تاء مصدری کا اضافہ کیا تو "فلسفہ" ہو گیا جس کے معنی ہیں "حکمت سے محبت کرنا"

'سفسطہ' "سوفا اسطا" سے ماخوذ ہے ۔ 'سوفا' بمعنی حکمت اور 'اسطا' یونانی زبان میں 'غلط کو زینت دینے والے' کو کہتے ہیں ۔ جب ان دونوں الفاظ کو مرکب کیا تو 'سوفا' کے الف کو اور 'اسطا' سے ہمزہ مکسورہ کو حذف کر دیا ۔ 'سوفسطا' ہو گیا اور جب مصدر بنایا تو واؤ اور ہمزہ کو حذف کیا اور تائے مصدری آخر میں اضافہ کیا ۔ 'سفسطہ' ہو گیا ۔ 'سفسطہ' غلط اور باطل کلام کو کہتے ہیں ۔

سوفسطائیہ کے تین گروہ ہیں ۔ عنادیہ[1] ، عندیہ[2] اور لاادریہ[3] ۔

بحث تکفیر بوعلی سینا

مجالس شیخ علاؤ الدین سمنانی میں مذکور ہے کہ اکثر متقدمین حکمائے یونان انبیاء علیہم السلام کے عقائد و شرائع کے مخالف تھے۔ یہاں تک کہ افلاطون کا زمانہ آیا تو اس نے ان اصول کی تردید کی اور بہتوں کو باطل کیا۔ لیکن بہتر اصول میں انبیاء کا مخالف رہا اور رجوع نہ کیا پھر ارسطو نے ان بہتر مسائل کی تردید کی لیکن وہ بھی ۲۳ مسائل میں انبیاء علیہم السلام کا مخالف رہا۔ یہاں تک اس امت مکرمہ میں ابوعلی بن سینا کا زمانہ آیا تو اس نے ان ۲۳ مسائل کا ذکر کرکے ابطال کیا۔ لیکن تین مسائل میں شرائع انبیاء کی مخالفت کی۔ اسی سبب سے اہل اسلام نے ابوعلی بن سینا کی تکفیر کی[1]

تمام اہل اسلام ان تین مسائل کی وجہ سے 'بوعلی' کی تکفیر کی طرف مائل ہیں، بلکہ بہتوں نے تو تصریح کے ساتھ تکفیر کی ہے لیکن خود 'رسالہ تقسیم علوم حکمت واسامیٔ آن' میں کہا ہے کہ میں ان علوم میں کوئی مسئلہ شریعت کے خلاف نہیں پاتا۔ اور اگر کوئی مسئلہ بظاہر خلاف شریعت نظر آئے تو تاویل صحیح کے ذریعے سب عین شریعت ہیں لوگ بوعلی سینا کی تکفیر کرتے تھے تو اس نے یہ دو اشعار کہے۔

چون من کسی مؤمن و متقن نبود — در دہر مثلم یکی متقن نبود
چون من بیک دہر او ہم کافر شد — پس در ہمہ دہر یکی مؤمن نبود

اگر یہ کہا جائے کہ ابوعلی نے ان نصوص کو ظاہر معنی پر محمول نہیں کیا ہے بلکہ ان کی تاویل کی ہے جو کہ علم الہی کے عموم اور حشر اجساد اور حدوث عالم کے سلسلے میں وارد ہیں اور کفر نصوص کے انکار کی صورت میں ہوتا ہے نہ کہ تاویل کی صورت میں۔ اور ابوعلی نے ان کا انکار نہیں کیا ہے؟ تو اس کا جواب حاشیہ خیالیہ میں یہ دیا ہے کہ ضروریات دین کے مسائل کے متعلق جو نصوص وارد ہیں، ان سے تاویل کے ساتھ انحراف

---

[1] اس سلسلہ میں مقالہ نگار کی رائے محفوظ ہے، کسی آئندہ موقع پر انشاء اللہ اس کے متعلق بحث کی جائے گی۔

بالاجماع کفر ہے۔ اور اہل سنت والجماعت کا اجماع ضروریات دین پر منعقد ہوچکا ہے۔ اور اجماع کی مخالفت بھی کفر ہے۔ عقائد سنیہ کے فصل رابع کے آخر میں شرح مقاصد سے نقل کیا ہے کہ جو شخص عالم کے قدیم ہونے اور حشر اجساد کی نفی کا اعتقاد رکھے، وہ کافر ہے۔ نیز مجالس علاؤ الدولہ سمنانی میں مذکور ہے کہ شیخ مجدالدین بغدادی نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خواب میں زیارت کی تو آپؐ سے عرض کیا کہ ابن سینا کے متعلق آپ کی کیا رائے ہے ؟ آپؐ نے فرمایا کہ وہ ایسا شخص ہے کہ اس نے اللہ تعالیٰ سے بغیر میرے واسطہ کے اور اللہ تعالیٰ کی محبت کے ملنا چاہا پس آگ میں گر پڑا۔ جمال الدین حلبی سے بھی خواب میں یہی کہا گیا کہ وہ ایسا شخص ہے کہ اللہ تعالیٰ نے علم کے باوجود اس کو گمراہ کیا۔
مثنوی معنوی کے یہ چند اشعار بوعلی کی گمراہی پر دلالت کرتے ہیں ؎

نور نور چشم خود نورِ دلست — نورِ چشم از نورِ دلہا حاصل ست
نورِ دل خود حاصل از نورِ خداست — نورِ حق از نورِ دلہا کی جداست
فلسفی زیں نور نابینا شدہ — کور دل زیں بوعلی سینا شدہ
بوعلی سینا ازیں رمزی نگفت — درغطار فلسفی آسودہ خفت
نورِ حق داں در دل ایمانیاں — شد ازاں ویراں دکاں یونانیاں
ہر کہ او ایں نور را بینا بود — شرح او کی کار بوسینا بود
کار بوسیناست تصویرِ رجال — لاجرم کارش شدہ عین ضلال

علوم فلاسفہ کی اصل

علوم فلاسفہ کی اصل تین ہیں۔ الٰہیات، طبیعیات، ریاضیات۔ اور ان علوم کے اتنے اقسام ہیں کہ ان کی تعداد تقریباً پچاس تک پہنچ جاتی ہے، جن میں اکثر کا سیکھنا سکھانا حرام ہے اور بعض کا سیکھنا سکھانا مباح ہے۔ چنانچہ علم دین کے حاصل کرنے کے بعد علم تشریح الاعضاء اور علم طب کا حاصل کرنا مستحب ہے۔ اور مناظرہ، حساب اور مساحت کا علم حاصل کرنا مباح ہے۔ اور علم نجوم کا اس قدر حاصل کرنا مباح ہے کہ اوقات کی شناخت ہو سکے اور قبلہ معلوم کیا جا سکے اور سمندر میں راستہ دریافت کیا جا سکے اور اس سے

زیادہ حرام ہے۔ باقی فلسفہ کے تمام علوم حرام ہیں۔ یہاں تک کہ علم ہیئت بھی حرام اور باطل ہے کیونکہ علم ہیئت کے اکثر مسائل نصوص نبویہ صلی اللہ علیہ وسلم کے خلاف ہیں۔ منجملہ ان کے ایک یہ ہے کہ تمام فلاسفہ اس پر متفق ہیں کہ آفتاب کی گردش آسمان کی گردش کی وجہ سے ہے۔ ورنہ آفتاب ساکن ہے اور آسمان متحرک ہے۔ آفتاب اور تمام کواکب کی حرکت آسمان کی حرکت کی وجہ سے ہے اور یہ اس حدیث کے خلاف ہے جو حضرت ابوذرؓ سے صحیحین میں مروی ہے کہ جب غروب آفتاب ہوگیا تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ تمہیں معلوم ہے کہ یہ کہاں جاتا ہے۔ میں نے عرض کیا کہ اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول زیادہ جانتے ہیں۔ آپؐ نے فرمایا کہ وہ جاتا ہے یہاں تک عرش کے نیچے سجدہ کرتا ہے۔ پھر وہ مشرق سے طلوع کی اجازت چاہتا ہے تو اس کو طلوع کی اجازت دی جاتی ہے[1]۔ تا آخر حدیث۔

قاضی بیضاوی نے اس آیت کریمہ کی تفسیر میں اقوال حکماء کی پیروی کی ہے باوجودیکہ صحیحین کی یہ روایت حکماء کے مذہب کے باطل ہونے پر دلالت کرتی ہے۔

علم منطق علم منطق کا حاصل کرنا حرام ہے۔ جیسا کہ فقہاء اور محدثین اور صوفیا نے اس کی تصریح کی ہے۔ ملا علی قاریؒ نے بھی شرح عین العلم اور شرح فقہ اکبر میں اس علم کو دہلیز کفر سے تعبیر کیا ہے۔ علامہ سیوطی رح نے ایک رسالہ اس کی تحریم کے متعلق لکھا ہے لیکن اس منطق سے مراد فلاسفہ کی منطق ہے۔ اہل اسلام کی منطق مراد نہیں ہے جسے علم کلام کہا جاتا ہے۔

علم کیمیا اس علم کا حاصل کرنا اور مطالعہ کرنا اگرچہ جائز ہے لیکن چونکہ یہ توکل کے منافی ہے اور اس سے اوصاف ذمیمہ پیدا ہوتے ہیں اس لئے اس علم میں مشغول ہونا بہت برا ہے۔

(و) فلاسفہ کے جو علوم تہذیب اخلاق اور ریاضت نفس سے متعلق ہیں ان کو قانون شریعت کے سامنے پیش کرنا چاہئے اگر اس کے مطابق ہوں تو ان پر عمل جائز ہے ورنہ نہیں۔ باقی دیگر علوم فلسفہ مثلاً علم سحر، موسیقی، نجام، ریمیا وغیرہ یہ سب کے سب بالاتفاق حرام ہیں۔ (مسلسل)

[1] بخاری، کتاب التفسیر باب سورۃ یٰسٓ۔